© rasailojaraid.com

دارالعلوم دیوبند — تحفظ واحیاءِ اسلام کی عالمگیر تحریک

مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ

برِصغیر جو اس وقت کئی حصوں میں بٹا ہوا ہے تاریخی اعتبار سے بڑی خصوصیات کا حامل ہے۔ سبحۃ المرجان کے فاضل مصنف نے ان خصوصیات کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں مستند شہادتیں پیش کی ہیں ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو سب سے پہلے انسان، خلیفۃ اللہ اور پیغمبر ہیں کی جنت سے جب زمین پر آمد ہوئی تو اسی خطہ میں وہ سب سے پہلے تشریف لائے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اس خطہ کو ساری دنیا سے ممتاز کرتی ہے۔

جب سلسلۂ نبوت اپنے کمال واتمام کو پہنچا اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو یہ خطہ بھی دوسرے خطوں کی طرح ضلالت وگمراہی کا شکار تھا لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے فضلِ خصوصی سے جن خطوں کو بالکل ابتداء میں نورِ اسلام سے منور فرمایا ان میں یہ خطہ بھی ہے، یعنی کہ حضرات صحابۂ کرام سلام اللہ علیہم ورضوانہ کے عہد سعادت میں ہی یہاں نورِ ہدایت کی کرنیں پڑنا شروع ہوگئی تھیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نوجوان غازی محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی جہادی مہم اس ملک میں ابتدائے اسلام کا باعث بنی لیکن یہ بات صحیح نہیں، کیوں کہ ایسا تو دورِ صحابہ میں ہو چکا تھا اور مشرقی اطراف، نورِ اسلام سے منور ہو چکی تھیں اس کے بعد یہاں قدرت، مشعلِ اسلام کو فروزاں رکھنے کا ہمیشہ اہتمام فرماتی رہی اور اس اہتمام کا سب سے اہم حصہ حضرات صوفیائے کرام، علماء ربانیین اور اس طرح کے اصحاب فضل وکمال ہیں جن کی سعی وجہد سے گلشن اسلام پھلتا پھولتا رہا اور ہوا کی تیزی اور تندی کے باوصف اس کی رونق اب بھی قائم ہے۔

ابتدائی دور میں جن بزرگوں کا نام لیا جاسکتا ہے ان میں شیخ اسماعیل محدث لاہوری، السید علی ہجویری، خواجہ معین الدین اجمیری قدس اللہ اسرارہم جیسے بزرگانِ سلف بہت اہم حیثیتوں کے مالک ہیں۔ برِصغیر کی پوری تاریخ میں جن بادشاہوں اور سلاطین وملوک کا نام، خادمِ دین کی حیثیت سے زیادہ اہتمام سے لیا جاتا ہے مثلاً سلطان محمود غزنوی، اس کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی، غازی اورنگ زیب عالم گیر رحمہم اللہ وغیرہ تو ان کی پشت پر بھی اصحاب علم وطریقت کا سوز دروں آپ کو نظر آئے گا۔ اور جب کبھی گلشن اسلام کو پامال کرنے کی کوشش ہوئی تو جو لوگ سینہ سپر ہو کر سامنے آئے اور اندرونی وبیرونی فتنوں کو دبا کر گلشن اسلام کی تازگی کو قائم رکھا وہ بھی یہی بوریہ نشین، مسند نشینانِ علم وفقر تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندی تاریخ میں اکبر کا دینِ الٰہی بہت مشہور ہے اور اس کا موجد اکبر، اپنی بے راہ روی، اسلام سے دوری وغیرہ میں اپنی مثال آپ ہے، لیکن جس ذات نے اس خودساختہ دین کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیریں اور مقام تجدید پر فائز ہوکر دعوت وعزیمت کی دنیا میں نمایاں کارنامہ سرانجام دیا وہ بھی ایک گدڑی پوش اور فقرِ غیور کے مالک تھے۔

میری مراد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے ہے جو صدی کے نہیں بلکہ الف ثانی کے مجدد ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے مجاہدانہ کردار وطرزِ عمل نے ''اکبر دی گریٹ'' کے طرزِ فکر کا ایسا رخ بدلہ کہ وہی مغل جن کے متعلق خدشہ ہوچکا تھا کہ یہ اسلام کو اس ملک سے دیس نکالا دے دیں گے وہ اسلام کے خادم بن گئے جن میں اورنگ زیب کو تو بڑی اہمیت حاصل ہے، جو حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کا خادم اور تربیت یافتہ تھا اور ملاں جیون علیہ الرحمہ جیسی عظیم شخصیت کا شاگرد و خادم!

ہندوستان میں اسلام بیزار قوتوں کی کمی نہیں رہی جن میں بت پرست طبقہ سب سے آگے ہے، لیکن اسلام کے لیے سب سے زیادہ جو نازک موڑ آئے وہ دو تھے۔ پہلا تو وہی اکبری دور جس کا ابھی اشارہ کیا۔ جس کو حضرت مجدد صاحب نے بہت جلد بفضل الٰہی دبا دیا اور اس طرح وہ سازش ناکام ہوئی۔ دوسرا فتنہ جو اپنے اثرات کے اعتبار سے انتہائی مضر ونقصان رساں تھا، وہ تھا انگریزی راج! یہ واقعہ ہے کہ جس طرح یہاں ہر دور میں نمودار ہونے والے فتنوں کا علماء صلحاء نے قلع قمع کیا اسی طرح اس فتنہ کی بیخ کنی بھی علماء کے سر ہے۔

یورپین طاقتوں کے فرنگی مہروں کی ابتدائی آمد کا دورِ اکبری میں پتہ چلتا ہے۔ جب نوروز کی محفل عیش وطرب میں دنیا بھر سے رقاصاؤں، مغنیوں اور اس قماش کے لوگوں کو بلایا گیا تو سمندر پار کی اس مخلوق کو بھی بلایا گیا۔ شاطر یورپینوں نے یہاں آکر نہ معلوم کیا جادو کیا کہ بادشاہ سلامت ان پر فریفتہ ہوگئے اور اس دور کے خصوصی مصاحب ابوالفضل کو انجیل کا ترجمہ کرنے اور اپنے بیٹے شہزادہ خرم کو چند اسباق تبرکاً پڑھنے کا حکم دیا۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ اکبری فکری ونظریات کو اسلام کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہی تھے پھر انھوں نے خاص طور پر جس طرف توجہ دلائی وہ تھا ''کافرافرنگ'' کا مسئلہ، کافرافرنگ کے کفر اور اس کی عیاری وفریب کاری پر ان کی رگِ فاروقیت پھڑک اٹھتی ہے اور ان کے قلم سے انگارے نکلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد مغل بادشاہوں نے روایتی ہمدردی کے چکر میں ان لوگوں پر احسان کیا۔ تجارت وغیرہ کی کھلی اجازت دے دی تو یہ لوگ بے جاجرأت یا بالفاظ صحیح فریب کاری ومکاری کے حربوں سے ملک پر قابض ہونے کی سوچنے لگے۔

فرماں روا طبقہ میں سے جس نے سب سے پہلے ان کی فریب کاریوں پر توجہ دی وہ سلطان ٹیپو شہید ہیں جن کا تعلق حضرت الامام السید شہید بریلوی کے بزرگوں سے تھا۔ لیکن مرحوم ٹیپو کی ساری کوششیں اس لیے بارآور نہ ہوئیں کہ انگریز کو تحفظ دینے کی خاطر کئی اور گماشتے موجود تھے جنھوں نے مسلم کاز سے غداری کی۔ اورنگ زیب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد بے چین اور مضطرب ماحول میں قدرت نے حضرت فیلسوف اسلام حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو کھڑا کر دیا۔ انھوں نے جہاں ملکی حالات کی بہتری کے لیے احمد شاہ ابدالی سے رابطہ قائم کیا وہاں علمی وفکری بنیاد پر خوب کام کیا اور ملت کو جھنجھوڑا، علی گڑھ یونی ورسٹی کے پروفیسر جناب رشید احمد نے ''مکتوب شاہ بنام شاہ'' میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی اس دعوت کا پورا پس منظر بیان کر دیا ہے جو آپ نے احمد شاہ ابدالی کو دی۔ یہ دعوت قبول ہوئی ابدالی آئے اور مرہٹوں کی طاقت ختم کر دی۔ اس کے بعد ابدالی واپس چلے گئے اگر وہ اس موقع پر یہاں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو صورتِ حال تبدیل ہو سکتی تھی۔

شاہ صاحب نے سب سے اہم کام جو کیا وہ ہے فکری محاذ پر قوم کی صحیح رہنمائی۔ قرآن عزیز کا ملکی زبان میں ترجمہ کرنا ان کا مجددانہ اور مثالی کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ سیاست واقتصاد کے مسائل پر سیر حاصل بحث اور ان شعبہ ہائے حیات میں رونما ہونے والی بے اعتدالیوں کی نشان دہی سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ، بدور بازغہ، تفہیمات الٰہیہ، ازالۃ الخفاء وغیرہ کتابیں آپ پڑھیں تو ان مسائل حیات کے ساتھ آپ کو تاریخی حقائق کا ایک بحر بے کنار نظر آئے گا۔ اس ساری جدوجہد کا اصل مقصد یہ تھا کہ دنیا میں تمام نظام ہائے باطلہ کو مٹا کر ''اسلام کے نظام عدل ومساوات'' کے اجراء ونفاذ کی کوششیں کی جائیں۔

دراصل آپ چوں کہ مجدد تھے اور مقام تجدید موہبت الٰہی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد سے مترشح ہوتا ہے ''ان اللہ یبعث......'' الحدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مقام تجدید کے لیے انتخاب بھی منجانب اللہ ہوتا ہے اور قدرت کی خاموش رہنمائی اس سلسلہ میں انسانیت کی رہنما ہوتی ہے اس لیے آپ نے ''مجدد'' ہونے کی حیثیت سے حالات پر نظر ڈالی اس موڑ پر ان کی جو رہنمائی کی گئی اس پروگرام کا نام آپ نے ''فك كل نظام'' رکھا یعنی نظام ہائے باطلہ کی بیخ کنی۔

شاہ صاحب اپنے اس دینی پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انقلابی جماعت بنانے کا ارادہ رکھتے تھے اور مقصد سے والہانہ لگاؤ رکھنے والے رضا کاروں کے واسطہ سے یہ کام لینا چاہتے تھے، کیوں کہ ان کا خیال تھا اور بالکل صحیح کہ تنخواہ دار اور ملازم پیشہ لوگ وہ کام نہیں کر سکتے جو مخلص رضا کار کر سکتے ہیں۔ انقلابی جماعت بنانے اور قوت کے ساتھ حالات کا نقشہ پلٹنے کی تجویز ذہن میں اس لیے آئی کہ آپ کی نظر حالات پر تھی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت بچوں کا کھیل بن چکی ہے، شیعہ اور دوسرے عناصر کے ہاتھوں میں حکمراں کٹھ پتلی ہیں، آئے دن انقلاب آتے ہیں اور پوری قوم افراتفری کا شکار، انتظامیہ بدکردار ہے، فوجی پیشہ ور بے راہرو ہو چکے ہیں اور ظلم وناانصافی اپنے جوبن پر ہے۔ لیکن آپ کو مہلت نہ ملی اور آپ پروگرام وضع کرنے کے بعد عملی جامہ پہنانے سے قبل دنیا سے رخصت ہو گئے تو آپ کے فرزند رشید سراج الہند حضرت الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے اس کام کو اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاتھ میں لیا۔ سعادت مند جانشین نے تحریک کو منظم کرنے کی غرض سے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ ہندوستان کی ایک حیثیت متعین کردی۔ اب تک لوگوں کے ذہن حالات کے مطابق اطمینان سے خالی تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ملک کو دارالسلام کہا جائے یا دارالحرب یا دارالامن؟

شاہ صاحب نے کمال جرأت و دیانت سے حالات کا جائزہ لیا اور ایک مفصل فتویٰ جاری فرمایا جس میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا اعلان فرمایا، آپ نے ہندوستان کے حالات کے ضمن میں انگریزی نصاریٰ کی دھاندلیوں اور مکروفریب کا بالخصوص اپنے فتویٰ میں ذکر فرمایا۔ چوں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت دیر سے مدرسہ رحیمیہ قائم فرمایا تھا جس کے علمی فرزند ملک کے گوشہ گوشہ میں موجود تھے اس لیے خاندان رحیمی و ولی اللہی کے وارث و جانشین کی یہ صدائے حق، پوری سرعت کے ساتھ ملک کے چپہ چپہ میں پھیل گئی۔

فتویٰ جاری فرمانے کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی تیاری کے لیے آپ نے بھرپور کوشش جاری رکھی اس سلسلہ میں حسن اتفاق سے رائے بریلی کے قدیم بزرگوں کی اولاد کا ایک ہونہار فرزند انھیں مل گیا۔ جس کی تعلیم وتربیت آپ نے اور اپنے اور آپ کے بھائی شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمۃ نے کی، تعلیم کے بجائے اس صاحبزادے کا زیادہ رجحان اس طرف تھا کہ جہادی مہم میں حصہ لیا جائے اور پھر اس نے انتظامی معاملات کا وسیع تجربہ بھی حاصل کرلیا تھا اس لیے شاہ صاحب نے اس صاحبزادے حضرت الامام الامیر السید احمد بریلوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو تحریک مجاہدین کا سربراہ بنایا اور اپنے مخصوص عزیزوں یعنی مولانا عبدالحیٔ بڈھانی اور مولانا محمد اسماعیل قدس سرہما کو ان سے متعلق کردیا اور اُن سے اِن کی بیعت کرادی باوجودیکہ دونوں بزرگ عمر اور علم میں سید بریلوی سے بڑے تھے۔

اس تحریک کا باضابطہ اجرا ہونا تھا کہ ایک ہلچل مچ گئی۔ سید صاحب نے اپنے رفقاء سمیت دورے شروع کردیے۔ ان دوروں میں جس کثرت سے لوگ ان کے ساتھ شامل ہوئے اور جانی ومالی قربانی دی اس کا اندازہ ایک متعصب انگریز دشمن لارڈ ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' سے ہوسکتا ہے۔ لوگوں کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی تنخواہوں کا ایک حصہ اور سالانہ چھٹیاں اس مقدس مہم میں خرچ کرتے تھے۔ اسی دوران سفرحج بھی پیش آیا اور اس کا مقصد بھی دراصل جہاد کے معاملے میں تیاری ہی تھا۔ یار لوگوں نے سید صاحب کے سفرحج کے متعلق عجیب عجیب باتیں کیں اور مشہور کردیا کہ مکہ معظمہ میں ان کی ملاقاتیں محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کے زعما سے ہوئیں وہ ''نجدی وہابی'' عقائد سے متاثر ہوئے وغیرہ، ذالک۔ حالانکہ انگریز مورخین خود تسلیم کرتے ہیں کہ سید صاحب کے وہاں پہنچنے سے کئی سال قبل نجدی تحریک اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔ لیکن دروغ گورا حافظہ نہ باشد کے مصداق یہ تسلیم کرنے والے اپنی ہی کتابوں کے دوسرے صفحہ پر سید صاحب اور نجدیوں کی ملاقاتوں کے افسانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تراشنا شروع کردیتے ہیں۔

بہرحال سید صاحب نے جب جہاد کا سلسلہ شروع کیا تو ابتداء میں خاطر خواہ کامیابیاں ہوئیں جو دو طرف پھیلی ہوئی تھیں ایک طرف سرحد میں آپ خود نبرد آزما تھے تو دوسری طرف بنگال میں حاجی شریعت اللہ، تیتو میر وغیرہ سرگرم عمل! لیکن خدا کو ایسا ہی منظور تھا کہ کچھ بدبخت عناصر آڑے آگئے اور ۱۸۳۱ء کے وسط میں آپ اور آپ کے اہم رفقاء شہید کردیئے گئے۔ ہرچند کہ اس سے تحریک کو نقصان پہنچا لیکن مسٹر ہنٹر کے مطابق یہ تحریک قائدین کی موت حیات سے بے نیاز ہوچکی تھی۔ اس لیے سلسلہ چلتا رہا بچے کھچے حضرات نے سرحد میں ستیانہ کے مقام پر کیمپ قائم کرکے انگریز بہادر کو مسلسل پریشان کیے رکھا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد یعنی ۱۸۵۷ء میں ایک بار پھر پورے ملک میں آگ بھڑک اُٹھی۔ اس اشاراتی مضمون میں تفصیلات کا موقع نہیں ورنہ اس بات کے ثبوت پیش کیے جاسکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا سہرا بھی انہی لوگوں کے سر ہے جو تحریکِ ولی اللہی سے نسلاً بعد نسل منسلک تھے اور اسی نہج پر تربیت یافتہ تھے۔

اس تحریک کے ابتدائی دنوں میں محسوس ہوتا تھا کہ انگریز راج ختم ہوکر رہ جائے گا۔ لیکن اندرونی غداروں کی سازشوں اور پیہم قوم فروشیوں نے ملّت کے کاز کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس مرحلہ پر جو لوگ توپ و تفنگ اور جذبات صادقہ لے کر میدان میں آئے ان میں سید الطائفہ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ بھی تھے۔ جو علماء عملاً ہر طرح ولی اللہی سلسلہ کے وارث تھے اور جن کا روحانی تعلق بھی اس تحریک کے بزرگوں سے تھا۔ حاجی صاحب اپنے رفقاء سمیت جہاد و قتال کے میدان میں آئے اور ایک وقت میں ایک حصہ اپنے قبضہ میں لے کر "اسلامی حکومت" کی بنیاد بھی رکھ دی لیکن ابھی آزمائشی دور ختم نہیں ہوا تھا اس لیے آخری نتیجہ انگریز کے حق میں نکلا۔ آزادی کی اس تحریک کی ناکامی کے بعد انگریز نے ظلم و جبر کے تمام روایتی طریقے اپنائے، انسانیت کے بے پناہ قتل کے ساتھ مساجد و مدارس کی بربادی میں بھی خوب خوب ہاتھ رنگے اور اپنے طور پر ملت اور اس کے آثار و نشان مٹانے کی خاطر تمام ممکنہ تدابیر اختیار کیں، یہی وہ دور ہے جب ملت اسلامیہ اپنے مستقبل کے بارے میں بالکل مایوس ہوچکی تھی اور دشمن مطمئن تھا کہ اس نے ہندوستان کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کرالیا۔ لیکن جو خطہ ارضی ابتدا سے آسمانی رشد و ہدایت سے نوازا گیا ہو اس سے آثار دینی مٹانا کسی کے بس میں نہ تھا اور قدرت اغیار کی ریشہ دوانیوں پر مسکرا رہی تھی۔ وہ مجاہدین حریت جنھوں نے اب تک "جہاد بالسیف" کے ذریعے خدمت اسلام کی تھی اور ملت کو بچانے کا فریضہ سرانجام دیا تھا قدرت نے پھر ان کی رہنمائی کی اور اب وہ نئے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر میدان میں آئے۔ اس مقصد کی خاطر جو بنیاد سوچی گئی وہ تھا "علم کا میدان"۔

ظاہر ہے کہ ایک تو ویسے ہی خدائے بزرگ و برتر نے علم کی بڑی اہمیت بیان کی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ قومی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملی سطح پر ہر انقلاب ''علم'' کا مرہونِ احسان ہوتا ہے، انگریز نے بھی علمی میدان تجویز کیا تھا اور اسی تجویز کی روشنی میں اس نے مدارس کا قلع قمع کر کے اپنا خود ساختہ نظام تعلیم رائج کیا تا کہ ساری دھرتی ''خداوند یسوع مسیح'' کی بادشاہت میں شامل کیا جائے۔ مستقبل میں تحفظ واحیاء اسلام کی خاطر جدوجہد کے لیے ''علمی میدان'' حقیقت میں کسی نے تجویز نہ کیا تھا بلکہ القاء ربانی نے ارباب قلوب کو اس تجویز پر متفق کیا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ سمیت دوسرے بانیانِ دارالعلوم نے جب مل بیٹھ کر اپنی اپنی رائے بیان کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ قدرت نے ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے تحفظ کے لیے جو راہ سجھائی ہے وہ ہے ''علمی تحریک''۔

چنانچہ اس رہنمائی کے مطابق مدرسہ کا کام شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا اور جگہ وہ تجویز کی گئی جو شہری شور وغوغا سے دور تھی یعنی دیوبند کا قصبہ! اس قصبہ کی تجویز کی وجوہات میں ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے پہلے علمبردار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور بعد میں تحریک مجاہدین کے سربراہ حضرت السید بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''اس جگہ سے بوئے علم آ رہی ہے۔''

مدرسہ کی ابتداء کے لیے کسی اشتہار ومنادی کا کوئی مسئلہ نہ تھا، بس سادہ طریق، چند باخدا لوگوں نے ملاّ محمود صاحب قدس سرہ کو میرٹھ سے بلا کر بٹھا دیا اور دیوبند کے ہونہار فرزند محمود الحسن نے کتاب کھول کر مدرسہ کی ابتدا کر دی۔ مدرسہ شروع ہوا تو امیر ملت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو مکہ معظّمہ میں اطلاع دی گئی، آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ بنایا، معلوم نہیں کتنی پریشانیاں سحری کے وقت اس مقصد کے لیے بارگاہ ربوبیت میں سجدہ ریز ہوتی رہی ہیں۔''

ان تفصیلات سے مدرسہ بنانے یا علمی تحریک جاری کرنے کا پس منظر اور اس سلسلہ کی سوچ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور جب بعد کے نتائج کو دیکھا جاتا ہے تو پھر معاملہ اور بھی زیادہ نکھر جاتا ہے۔ تفصیلی گفتگو کا تو وقت نہیں مختصراً یوں سمجھیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوئی تو مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی۔ مایوسیوں نے گھیر لیا اور سوچا یہ جانے لگا کہ یہ قوم اب کبھی انگڑائی نہ لے سکے گی لیکن اس علمی تحریک کی داغ بیل نے جس کی پہلی کڑی دارالعلوم دیوبند کا قیام تھا افراتفری کا شکار دکھی مسلمانوں کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا اور نئے سرے سے ایک مرکز وحدت میسر آ گئی۔

یہی مرکز وحدت ہے جو آج ایک سو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اپنی اسی حیثیت میں موجود ہے اور ملت کی ہر نوع کی رہنمائی اس کے دم قدم سے ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے بھی مختلف النوع فتنے اسلامی عقائد کے خلاف سامنے آ چکے تھے لیکن اس کے بعد جس طرح چاروں طرف سے تابڑ توڑ حملے شروع ہوئے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ تاتاریوں کا ظلم وستم بہت مشہور ہے اور اندلس کا خونی ڈرامہ اپنی مثال آپ ہے، لیکن آج تو مکر وفریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ہرنو ایجاد طریق سے متاعِ حیات لوٹی جارہی تھی اور عیسائی مشنریز کے ساتھ ساتھ آریہ سماجی وغیرہ اور پھر بعد کے ادوار میں انکارِ ختم نبوت، انکار حدیث و معجزات نبوی اور بدعات و رسوم جاہلیت کا جو دور دورہ ہوا اس نے انتہائی خطرناک صورت پیدا کر دی۔ ساتھ ہی ''تعلیم جدید'' کے فتنہ کو بھی شامل کر لیں جس کا ظاہری عنوان تو دلفریب تھا لیکن فی الحقیقت لارڈ میکالے کی تعلیمی اسکیم کو خود نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں پروان چڑھانے کی ایک مکروہ سازش تھی۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ جدید علوم وفنون وغیرہ کے متعلق علما پر جو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔ وہ سرتاپا غلط ہے، علماء تنگ نظر نہیں کہ وہ اس قسم کے کردار کا مظاہرہ کریں، انھوں نے تمام علوم وفنون کی اجازت دی جیسا کہ خود سرسید احمد خاں نے اپنی کتاب ''اسباب بغاوت ہند'' میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے تسلیم کیا ہے اور حضرت مولانا گنگوہی اور علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کے فتوے بھی موجود ہیں۔ البتہ علماء کو جس بات سے اختلاف تھا وہ یہ تھی کہ مذہب و دینیات سے الگ رہ کر جو تعلیمی کھڑاگ رچایا جائے گا اس کے برگ وبار انتہائی نقصان دہ ہوں گے اور قوم اپنے مرکز سے دور ہو جائے گی۔

تعصب و ہٹ دھرمی سے الگ تھلگ ہو کر اگر علماء کی اس بات کو دیکھا جائے تو آج وہ سو فیصد درست ثابت ہوگی۔ بہر حال بات ان فتنوں کی ہو رہی تھی جو متاعِ ایمان و اسلام کو مٹانے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے لیکن دیوبند اور اس کے فرزندوں نے جس طرح ایک ایک فتنہ کے سامنے بند باندھا وہ تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے جھٹلانا کسی کے بس میں نہیں۔ انگریز مشنری، آریا سماجی، مرزائی، منکرین حدیث، دشمنان صحابہ اور اہلِ بدعت کی تمام ترکتازیوں کے جواب میں قلمی اور لسانی جہاد اسی تحریک کے خدام نے کیا اور ہر ایک کو منہ کی کھانی پڑی۔ والحمد للہ۔

بانی دارالعلوم کے وہ مناظرے اور قلمی کاوشیں جو آریہ سماج کے خلاف ہوئیں ایک ریکارڈ ہے جسے تاریخ نے محفوظ کر دیا ہے۔ عیسائیت کی بات آئی ہے تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر آغا، مولانا ابوالمنصور وغیرہ کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ مرزائیت کے خلاف مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ ہے اس کے بعد حضرت العلام السید محمد انور شاہ کاشمیری کا قلمی جہاد، پھر آپ نے اپنے شاگردوں مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا محمد یوسف بنوری کو تصنیفی میدان میں لگا دیا۔

مجلسِ احرار اسلام جس کے وارث کے طور پر آج مجلس تحفظِ ختم نبوت موجود ہے کو حضرت شاہ صاحب نے اس محاذ پر کھڑا کیا پھر مجلس کے خدام نے جن میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین، مولانا لال حسین اختر اور مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد حیات فاتح قادیاں وغیرہ شامل ہیں، نے اس محاذ پر جو کام کیا وہ تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔

۵۳ء کی تحریک ختم نبوت ہو یا ۷۴ء کی تحریک ختم نبوت اسی مادرِ علمی کے فرزندوں نے ان میں ہراول دستے کی حیثیت سے کام کیا۔ آج مجلس تحفظِ ختم نبوت نے اپنے امیر مولانا محمد یوسف بنوری کی قیادت میں مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر ساری دنیا کو اکٹھا کر کے تحریک منظم کی، اسمبلی کے باہر حالات پر کنٹرول کیا تو یہ انہی مرحوم بزرگوں کی قربانیوں کا ثمر تھا اور اسمبلی کے اندر مجھ جیسے ناچیز سے جو کام ہوا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل اور اپنے اسلاف کی توجہات کی برکت سے تھا۔

علاوہ ازیں مجلس کا بیرونِ ملک یورپ، افریقہ، مشرقِ وسطیٰ، انڈونیشیا اور دوسرے مقامات پر مرزائیت کا تعاقب جاری ہے اور الحمدللہ خاطر خواہ نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔ اس مرحلہ پر یہ گزارش بھی ضروری ہے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے مرزائیت کے خلاف جو آواز بلند کی تو وہ بھی حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کی نظر کرم کا صدقہ تھی اور ۳۵ء کے مقدمہ بھاولپور میں اہلِ اسلام کو مرزائیوں کے مقابلے میں کامیابی بھی محدث کاشمیری کی جدوجہد سے ہوئی۔ منکرین حدیث و معجزات کا فتنہ ہے تو سرسید سے لے کر غلام احمد پرویز تک ایک ایک علمبردار فتنہ کو اپنی موت آپ سلانے والے یہی اکابر ہیں۔ دیال سنگھ کالج کے جلسہ میں قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی پرویزیت کے قلعے پر بمباری اور پھر تمام اکابرین کا متفقہ فتویٰ کہ "پرویز کافر ہے" کل کی بات ہے۔

ملک کے ایک معقول حصے میں سبائیت کے اثرات کا قلع قمع کرنا اور لکھنو میں حق صحابہ کو منوانا مجلس احرار کی قربانی کا نتیجہ ہے، جو اس شجرہ طیبہ کی ایک ٹہنی تھی اور آج بھی اس میدان میں جو افراد اور جماعتیں سرگرم عمل ہیں اور سبائیت کے اثرات سے ملت کو بچانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں وہ سب ہی حضرت نانوتوی اور دوسرے اکابرین دیوبند کی معنوی اولاد ہیں۔ اہل بدع وہوا جو ایک طرف بدعات و رسومات جاہلیت کی وجہ سے اسلام کے چشمۂ صافی کو گدلا کر رہے تھے تو دوسری طرف "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار السلام" جیسی کتابیں لکھ کر اور انگریزی فوج میں شامل فوجیوں کو ترکوں کے مقابلہ میں تعویذ دے کر ملت سے غداری کر رہے تھے، کا مقابلہ کیا اور اب تک کیا جارہا ہے۔ جدید تعلیم کے نام پر جو تحریک چلائی گئی اور جس کے لیے ملک بھر کے وڈیروں نے دورے کیے اور انجمن ہائے اسلامیہ قائم کیں، یا دوسرے ناموں سے انجمنیں قائم کیں ان کے مضر اور منفی اثرات سے خلق خدا کو آگاہ کیا اور دینی علوم کی اشاعت عقائد اسلامیہ کے تحفظ کے لیے وسیع پیمانے پر مدارس قائم کیے، جن میں ابتدائی، وسطانی اور فوقانی ہر درجے کے مدارس بنائے اور خلق خدا کو فیض یاب کیا۔ ان مدارس کی خوبی یہ تھی کہ سرکاری اثرات سے آزاد رکھ کر محض غریب عوام کے مخلصانہ چندوں سے ان مدارس کو چلایا گیا اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچا کر انھیں علم کی روشنی سے منور کیا گیا اور اب تک کیا جارہا ہے۔ اس وقت صرف پاکستان میں ہزاروں چھوٹے بڑے مدارس ہیں جو دین کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمت میں مشغول ہیں۔اس کے علاوہ دیوبند نے جو سب سے بڑا کام کیا وہ ہے غیرملکی سامراج کا خاتمہ اور ملک کو آزاد کرانا۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ جب سے انگریز نے اس ملک میں قدم رکھا اس وقت سے جو حضرات اور طبقہ انگریز کے خلاف سرگرم عمل تھا وہ یہی طبقہ تھا اور اسی طبقہ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا جس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہم اللہ سرفہرست۔حضرت نانوتوی مدرسہ کے بانی اور حضرت گنگوہی سرپرست تھے اور ان کے محبوب ترین شاگرد حضرت شیخ الہند قدس سرہ تھے جو دیوبند کے پہلے طالب علم تھے۔حضرت شیخ الہندؒ نے فراغت علم کے بعد مدرسہ میں تدریس اختیار کرلی اور ابتدا میں جب آپ مدرس ہوئے تو آپ کی حیثیت یہ تھی کہ آپ مدرس چہارم تھے اور بڑھتے بڑھتے سلسلہ وہاں تک پہنچا کہ آپ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ کے بعد مدرس اول ہوگئے، آپ کا طویل دور تدریس امتیازی شان کا مالک ہے اور یہ حقیقت ہے کہ تاریخ میں حضرت امامنا الہمام امام ابوحنیفہؒ کو شاگرد ملے اور پھر آپ کو! سرفہرست دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے، حضرت مدنی، حضرت سید محمد انورشاہ کاشمیری، مولانا سندھی، حضرت مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا منصور انصاری، مولانا محمد سہول بھاگلپوری، مولانا فضل ربی افغانستان، مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا رسول خاں صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، میاں اصغر حسین صاحب، مولانا محمد صادق کراچوی رحمہم اللہ تعالیٰ اور مولانا عزیز گل مدظلہ جیسی نادر روزگار شخصیتیں آپ کو نظر آئیں گی اور یہ فہرست اصل کا دسواں حصہ بھی نہیں۔

خدام میں چند بزرگ جو میدان رزم میں سامنے نہیں آئے لیکن انھوں نے اور دوسرے اعتبارات سے جو خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔مثلاً ہزار کتابوں سے زائد کے مصنف حضرت تھانوی قرآن کے مفسر اور حدیث کے شارح مولانا عثمانی، امام المعقولیین مولانا محمد ابراہیم اور مولانا رسول خان صاحب وغیرہ باقی اکثر حضرات حضرت کے مشن کے مطابق میدان رزم میں آئے اور شیخ کی ہدایات کے مطابق خوب کام کیا۔

> تم جب چاہو، اپنے حسنِ عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کرسکتے ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں، اور اسی لیے قانونِ عمل کے کرشمے تم پر کھلتے بھی نہیں، دنیا میں یوسف علیہ السلام کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ گزری، لیکن یوسف علیہ السلام کے حسنِ عمل کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ کے لیے نہ تھی۔ بلاشبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا، لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے؟ آج بھی جس کا جی چاہے، شانِ یوسفیت پیدا کرکے دیکھ لے۔ دنیا کے تختِ عظمت و اجلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں!
>
> ہرکس نہ شناسندۂ رازست ، وگرنہ — این باہمہ رازست کہ معلوم عوام است
>
> (مولانا ابوالکلام آزادؒ)

© rasailojaraid.com